تاریخِ طبری کے مآخذ

نوشتہ :- ڈاکٹر جواد علی ــــ عراق اکادمی بغداد
ترجمہ :- جناب نثار احمد صاحب فاروقی، دہلی یونیورسٹی، دہلی

(۱)

روایات و قصص | عربوں کی تاریخ نویسی کے مصادر کا مسئلہ، جب اس کا گہرا علمی تجزیہ اور وسیع مطالعہ کیا جائے[۱] تو اُن کوششوں کے باوجود جو وستنفلڈ (WÜSTENFELD) جیسے[۲] بعض مستشرقوں نے عربوں کی تاریخ نویسی، عرب مؤرخین کے نظریات اور باہمی روابط کی نشاندہی کے سلسلہ میں کی ہیں، اور موضوع کی وضاحت کے باوصف، جیساکہ چوتھی صدی ہجری اور اس کے بعد عربوں میں تاریخ نویسی کے ارتقاء کی داستان لکھنے والوں کو محسوس ہوتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے کی نسبت پچھلی تین صدیوں میں اتنا واضح نہیں رہتا، خصوصاً پہلی اور دوسری صدی ہجری میں ـــــ کیونکہ اُس عہد کا جو مواد دستیاب ہوتا ہے اس میں ہم تاریخ محض اور

---

[۱] دائرۃ المعارف الاسلامیہ (عربی ترجمہ) ص ۳۸۳ اور انگریزی متن جلد ۴/۲ ۱۶۷ اس کا مخفف آئندہ "دائرہ" لکھا جائیگا۔

[۲] WÜSTENFELD (Ferdinand) : Die geschichtschreiber der Araber und ihre werke in : Abhanhandlungen der Akademie der wissenschaften zu göttingen. Bd, 28 und 29. 1881-1882
نیز Vergleichs Tabellen der Muhammedanischen und christlichen Zeitrechnung. Leipzig 1854.

اُن روایات و قصص کے مابین تمیز نہیں کر پاتے جنہیں صالح تاریخی مواد کے نام سے پیش کیا جاتا ہے حالانکہ واقع یہ ہے وہ قبائلی اساطیر اور سینہ بسینہ نقل کی ہوئی داستانیں ہوتی ہیں، جو عربوں میں عہد جاہلی سے چلی آ رہی تھیں، اسی طرح کی کچھ روایات اِدھر اُدھر سے جمع کر کے اور ان میں کچھ گھٹا بڑھا کر، علمی تاریخ کا ہیولیٰ تیار کر لیا گیا جس نے دوسری صدی ہجری میں باقاعدہ تاریخ کا مرتبہ حاصل کر لیا۔

یہ بدعت صرف عربوں ہی میں نہیں ہے، کیونکہ تاریخی مواد میں ایسی گڈمڈ اور تاریخی و نیم تاریخی مواد میں تمیز مشکل ہو جانے کا مسئلہ ہر متمدن قوم کے سامنے آتا ہے جب وہ اپنی تاریخ و سیر کو مدوّن کرنے کی کوشش کرتی ہے، جب کسی قوم نے اپنی تاریخ کی تدوین کا ارادہ کیا ہے تو یہ دشوار گذار مرحلہ بھی پیش آیا ہے یعنی اس مواد کا استخراج جس پر مورخ اپنے احکامِ تاریخی کی بنیاد گذاری کرے اور وہ مواد جو اُن مختلف ظروف و احوال کا نمائندہ اور اُن عواطف کا پیدا کردہ ہے جن سے ماضی میں یہ قوم گذری تھی ــــــ میری مراد اُن روایات سے ہے جو مرورِ ایام کے ساتھ جمع ہوتی گئیں اور ہر زمانے کے شعری اور نثری سرمائے کی چاشنی بن گئیں۔ ان روایتوں کی اساس حماسی شاعری تھی جس سے اِن کے حفظ کرنے میں آسانی ہوئی، پھر نثر کی باری آئی، جو شرح و توضیح کے لئے اِن اشعار کا لازمہ ہے، یہ نثر اپنی عمر کے اختلاف سے طویل یا مختصر ہوتی گئی۔ اسی مواد کو ہم قصص و اساطیر کہتے ہیں اور یہی ہر قوم کی تاریخ کا مبدأ ہے ــــــ ہر چند اس مواد میں تاریخی اعتبار سے ہمیں کچھ فائدہ نہ ہو، لیکن کسی قوم کی عقلی نشو و نما کو سمجھنے اور اس کی نفسیات کو پڑھنے میں اس سے بہت مدد ملتی ہے۔ چنانچہ یہ موازنہ اور تخمین کے لئے بہت کارآمد ہے۔ اسی سے تاریخ یونان شروع ہوتی ہے، اسی سے ایران اور روم کی تاریخوں کا آغاز ہوا ہے، یہی ہمیں ہومر، ورجل اور فردوسی کی شاعری میں ملتا ہے۔

حماسی شاعری زمانہ قبل از اسلام کی تاریخ بھی اسی قبیل سے علاقہ رکھتی ہے، خصوصاً عہد جاہلی کے جزیرۃ العرب کی وہ تاریخ جو سماع اور روایت کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔ یہ قصص

و اساطیر کی بنیاد پر مرتب ہوئی ہے اور اسے گنے چُنے لوگوں نے روایت کیا ہے، اس میں شاعری کو بہت نمایاں مقام حاصل ہے، ایک قصہ بھی اس شاعری سے خالی نہیں چاہے اس کی کوئی قومی مناسبت موجود نہ ہو۔ یہ دراصل اُن روایات کے ڈھیرے پہ گھڑے گئے ہیں جو ایام العرب کے راویوں کا تھا۔ اسی لئے ان میں ابداع، فکری گہرائی اور نظر کی تدرسی نہیں ہے عام لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہی اُس زمانے کی تاریخ ہے، اور بعد میں آنے والی نسلوں نے ان قصوں کو راویوں سے قبول کر لیا پھر تو اکثر مورخوں اور مصنّفوں نے کبھی بے چون و چرا اور کبھی تھوڑے بہت اعتراض کے ساتھ انھیں اپنی کتابوں میں درج کر لیا۔[۱]

یہ صورتِ حال قبل از اسلام کے نجد اور حجاز اور تہامہ کے بارے میں تسلیم شدہ ہے، لیکن یہ بات ہم اہلِ یمن کی نسبت نہیں سوچ سکتے جو متمدّن اور ترقی یافتہ قوم تھی۔ وہ بیرونی ممالک سے تعلقات اور استقرارِ دولت کی نعمت سے اس زمانے میں بھی بہرہ اندوز تھے جو ۱۵۰۰ قبل مسیح تک پھیلا ہوا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے واقعات کو ہمارے لئے اس زمانے تک اور پھر زمانہ بعد از مسیح تک، پوری فنی مہارت کے ساتھ کامل حروف ہجائیہ میں رکارڈ کیا تھا۔ جی ہاں! اس سے بھی زیادہ ہمارا خیال ہے کہ نہ صرف اہلِ یمن بلکہ اہلِ مکہ و یثرب اور اہلِ طائف نے اس عہد میں بعض کتابیں بھی مرتب کیں جن میں زمانہ ماقبل اسلام کی تاریخ، ظہورِ اسلام، اور جزیرۃ العرب میں اس کے انتشار کی داستان اور اس سے جو فکری، اجتماعی اور سیاسی سطح پر انقلابات رونما ہوئے، ان سب کی روداد تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس خیال کا تحقق دشوار ہے۔ چوں کہ یمن کی تاریخ بھی اسی نوعیت کی ہے، جس سے ہم بحث کر رہے ہیں، اس لئے اس کا اکثر مواد مصنوعی اور مبالغہ آمیز شعر و نثر پر مشتمل ہے جو اہلِ مکہ کے لہجے میں ڈوبا ہوا ہے۔ راویوں کا گمان ہے کہ انھوں نے یہ سرمایہ اپنے کہن سال بزرگوں سے پایا ہے اور وہ لوگ روایت کرنے میں دیانت دا

---

[۱] دائرہ ۲/۴۸۴۔

اور سچے تھے۔

یمنی عناصر | اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ ہے کہ اساطیر و قصص کے علمبردار یمن ہی کے باشندے رہے ہیں۔ وہ صرف یمن ہی کی تاریخ سے آگاہی کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ تمام پچھلی اُمتوں کے کوائف سے واقفیت اور آسمانی کتابوں کے علم اور قدیم کتبوں اور زبانوں سے معرفت کے مدّعی ہیں۔ یہ لوگ اپنی روایتوں پر کوئی ایسی دلیل بھی نہیں لاتے جو اُن کے دعوؤں کی تائید کرتی ہو، بلکہ جو کچھ کہتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رُواۃ قوتِ ابداع فہم حقائق، نقدِ سلیم اور راست فکری سے بمنازل دور تھے حتیٰ کہ اُن معاملات و مسائل میں بھی جو اُن کے اپنے عہد سے علاقہ رکھتے ہیں۔[۵]

وہب بن مُنَبّہ جیسے لوگوں نے اُن قصوں اور دیومالائی کہانیوں سے کتابیں بھردی ہیں جنھیں اسرائیلی قصص سے حاصل کرکے عربوں کی اساطیر میں شامل کردیا گیا ہے۔ کبھی کبھی تو اُن کے ہاں اِن حکایات کی اصل تک پہنچنے کے لئے صحیح علم کا فقدان ہی کھٹکتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی بلکہ اپنے اَخلاف اور خاندان اور سارے صنعانیوں کی علمی واقفیّت کے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں نظر بظاہر انھیں روایات گھڑنے میں بھی تامّل نہیں تھا جیسا کہ اُن کی طرف منسُوب اکثر روایات اپنے مُنہ سے بول رہی ہیں۔ اس جعل کی ضرورت یہ تھی کہ وہ گذرے ہوئے اور آنے والے واقعات سے اپنی پُوری واقفیت کا لوہا منواسکیں۔ یہی حال اُن کے ساتھی کعب الاحبار اور ابن سلّام کا ہے، جو اس خصوصیت میں اُن سے کم پلّہ نہیں ہیں۔

یہ بات میں اس تصویر کے علی الرغم کہہ رہا ہوں جو بعض محدثوں نے اِن حضرات کی پیش کی ہے۔ اور ان کی شخصیّت کے گرد احترام وعقیدت کا ایک ہالہ کھینچ دیا ہے۔ یہ اُن مناقب کے بھی خلاف ہے جو کتب الرجال کے بعض مصنفوں نے نہایت فیاضی کے ساتھ ان تراجم میں

---

[۵] دائرہ/۲۸۴

لکھے ہیں حالانکہ اُن مصنفوں نے ان سے کہیں زیادہ معتبر اور راست گو اشخاص کے بارے میں بخل سے کام لیا ہے۔[1]

خط المسند | یہ کہنا تو مبالغہ ہوگا کہ تاریخِ یمن کے جمع کرنے والے حضرات مثلاً عبید بن شریہ، وھب بن منبّہ، الشعبی، محمد بن کعب القرظی یا ھشام بن محمد بن السائب الکلبی قدیم حروف پڑھنا جانتے تھے۔ یعنی وہ حروف جنھیں خاور شناسوں کی اصطلاح میں غلطی سے حمیری رسم الخط کہا جاتا رہا ہے۔ اور جنھیں عرب خط المسند کا نام دیتے تھے۔[2]

اسی طرح یہ بھی غلو اور مکابرہ ہوگا اگر ہم کہیں کہ اِن لوگوں کے سوا اور اشخاص المسند پڑھ لیتے تھے اور اُسے صحیح طرح سمجھ لیتے تھے۔ چاہے اس کی دلیلیں موجود ہوں جو بغیر اشتباہ ثابت کردیں کہ لوگ اِن حروف (مسند) کی شکلیں پہچانتے تھے بلکہ انھیں لکھنا بھی جانتے تھے، جیساکہ جمہرۃ النسب میں آیا ہے جو محمد بن الحبیب (متوفی ۲۴۵ھ) سے روایت کی گئی ہے یا مثلاً ابن الندیم کی الفہرست یا بعض دوسری کتابوں میں ہے۔ کیوں کہ یہ بات قرینِ عقل نہیں ہے کہ صدرِ اسلام میں یہ کتابت سرے سے ناپید ہوجائے جب کہ اہلِ یمن اپنے اخبار انھیں حروف میں اور حمیری لہجے میں اُس زمانے تک مرتب کرتے رہے ہوں جو ظہورِ اسلام سے بہت زیادہ بعید نہیں ہے۔ اور جب کہ یمن کے حبشی حاکم ابرھہ (جس کا زمانہ ۵۴۳ء تک ہے) کی مرتب کردہ تاریخ بھی اس رسم الخط میں نہ ہو، نہ وہ کتبے جو دورانِ

---

(1) Corpus Inscriptionum Semiticarum, pars IV, paris 1889.

۲ دائرہ/ ۴۸۴ ۳ "اِن کو اہل کتاب کا بڑا وسیع علم تھا" پھر بطور تعلّی کہا کرتے تھے "لوگ کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن سلّام اہل زمانہ میں سب سے زیادہ عالم تھے یا کعب علامۂ وقت تھے، تم نے دیکھا کہ ان دونوں کا علم کس میں جمع ہوا ہے؟ (یعنی خود میری ذات میں)" تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۹۵

تلاش میں گلاسر کو ملے تھے اور جن کا زمانہ ۵۶۵ء تک کا ہے، اسلام سے بہت پہلے کے لکھے ہوئے ہوں۔

حتیٰ کہ ہم کہتے ہیں کہ اہلِ یمن نے خط مسند میں لکھنا ترک کر دیا تھا اور جب اسلام کا ظہور ہوا تو اُن کے پاس کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو اس خط کو لکھ پڑھ سکتا ہو، جس طرح یہ بات قرینِ عقل نہیں ہے کہ حمیری لہجہ اس زمانے میں بالکل ناپدید ہو گیا تھا حتیٰ کہ راویوں نے مجبور ہو کر قومی کہانیوں اور اساطیر کی روایتوں پر قناعت کر لی اور اِن مدوّن متون کو چھوڑ دیا جن کی صحت میں شک کی قطعاً گنجائش نہیں تھی۔ پھر عدنانیوں اور قحطانیوں کی باہمی آویزش و پیکار کے باوجود طرفین کے راویوں نے ایک قبیلے کی فضیلت دوسرے پر ثابت کرنے کے لئے شعر اور قصّے گھڑنے کا سہارا ڈھونڈ لیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یمن کے رواۃ نے اِن نصوصِ مدوّنہ سے کیوں اعراض کیا، خواہ اس وقت اس کے وہ اسباب نہ رہے ہوں جو سرِدست ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔

ایام العرب | قبائلی نظام نے جو جزیرۃ العرب کے سیاسی اور اجتماعی نظام کی اساس تھا، اپنے قبیلے کی یا اُن قبائل کی جن سے حلفیا نسب کا تعلق ہو، تاریخ روایت کرنے کا رواج پیدا کیا۔ اس رجحان نے ایام العرب کی شکل اختیار کر لی، اس میں مفاخر اور مدائح اور دشمن کے مثالب ہوتے تھے۔ اِن ایّام کی روایت میں شعر کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ ہر روایت میں ابیات و قصائد ضرور گھسے ہوئے ہیں جنھیں کبھی واقعہ سے مناسبت ہوتی ہے اور اکثر انمل بے جوڑ ہوتے ہیں۔ اور اُن کا شمول ثانوی اسباب کی وجہ سے ہوتا ہے گویا وہ اصل کی فروع میں سے کسی ایک فرع کی تشریح کے لئے آتے ہیں۔ اور کبھی وہ ایسی بات ہوتی ہے جس کا وجود الایام کے راویوں کے نزدیک بقائے روایت کے واسطے ضروری ہوتا ہے حتیٰ کہ جب اشعار

فراموش ہو جاتے ہیں تو اُن کے ساتھ وُہ روایات بھی مٹ جاتی ہیں۔[1]

پھر یہ ہوتا ہے کہ کچھ نئے اشعار راویوں کے ذریعے اُن کے علم میں آتے ہیں جن کے بارے میں وُہ کچھ نہیں جانتے، یہ ناواقفیت مجبور کرتی ہے کہ وُہ اِن اشعار کی تفسیر کے لئے کوئی واقعہ گھڑیں اور قصص وحکایات وضع کریں، جو عوام النّاس میں پھیل جاتی ہیں اور سینہ بسینہ منتقل ہوکر کتب تاریخ میں بار پالیتی ہیں۔ یہ حال تو عربوں کی تاریخ کا تھا مگر کم وبیش یہی معاملہ دُوسری اُمتّوں کی تاریخ کے ساتھ پیش آتا ہے۔

قدیم راویوں کا ایک اور خاص ذوق تھا کہ وُہ اپنی روایتوں میں اچھا خاصا عنصر اشعار کا شامل کر دیتے تھے۔ یہ بات تاریخ کی پُرانی کتابوں میں سے کسی کتاب پر بھی ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے سمجھ میں آسکتی ہے مثلاً کتاب التیجان فی ملوک حمیر جسے ابو محمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب الحمیری[2] (متوفی ۲۱۳ یا ۲۱۸ھ) نے روایت کیا ہے۔ یا کتاب "اخبار عبید بن شریۃ الجرہمی فی اخبار الیمن واشعارھا وانسابھا"[3] یا کتاب نہایۃ الادب فی اخبار الفرس والعرب مؤلفہ عبدالملک بن قریب الاصمعی،[4] اور یہ روایات میں استعمال شعر کے بارے میں، بہ نسبت اپنے پیشرو جامع اخبار مصنفوں اور ادیبوں کے زیادہ محتاط ہے یا مثلاً ابن ہشام کی السیرۃ النبویۃ

---

(1) E. GLASER: Mitteilungun der vorderasiatischen Gesellschaft. Berlin, 1897, PP. 390-401. Cf. Corpus Inscriptionum Semiticarum pars IV t.I pp 15-19.

[1] دائرہ / ۴۸۴ [2] طبع حیدرآباد دکن، ۱۳۴۷ھ، اسی کے ذیل میں "اخبار عبید" (ص ۳۱۱ تا ۴۹۶)

[3] "کتاب الملوک واخبار الماضین" اس کتاب کی بہت شہرت ہے، یہ المسعودی کے زمانے میں دستیاب تھی۔ ابن الندیم نے الفہرست (ص ۱۳۲ طبع مصر) اور نسخہ FLUGEL ص ۸۹) میں اس کا ذکر کیا ہے نیز رک: Hitti p 244 [4] اس کا خطی نسخہ برٹش میوزیم میں ہے (شمارہ ۲۳۰۹، ۱۲۷۳) اور کچھ اجزا جرمنی کے شہر گوتھا (Gotha) میں ملے ہیں (شمارہ ۳۹) مجمع العلمی العراقی میں اس کا عکسی نسخہ محفوظ ہے جو نسخہ برٹش میوزیم سے حاصل کیا گیا ہے۔

نیز Brockelmann. Supple. Vol I p. 164

جس نے ابن اسحق کی سیرۃ میں سے بہت سے اشعار چھوڑ دیئے ہیں، یہی وہ کتاب ہے جس پر ابن ہشام نے اپنی کتاب السیرۃ کی بنیاد رکھی ہے۔ اس ترک کے باوجود کتاب میں اشعار کی جو مقدار رہ گئی ہے وہ کل کتاب کے حجم کا پانچواں حصہ ہے۔[۵۱] حتیٰ کہ طبری نے رسول اللہؐ کے عہدِ مدنی کے ضمن میں (۳۱۴) اشعار درج کئے ہیں، حالانکہ یہ عام تاریخ کی کتاب ہے۔

علم الانساب | جب عصرِ اموی میں قبائلی عصبیت نے پھر زور پکڑا تو علم الانساب کو فروغ ہوا۔ خصوصاً دوسری صدی ہجری میں۔ اس علم کے ماہروں نے اپنے نتائج علمی فصول و ابواب میں تقسیم کر کے کتابوں میں جمع کئے اور اسے باضابطہ علم کی شکل دے دی پھر اس فن پر اپنا اجارہ کر لیا۔ اِن نسّابیوں کے سرگروہ محمد بن السائب الکلبی الکوفی (متوفی ۱۴۶ھ) ہیں جن پر متاخرینِ علمائے انساب نے اکثر اعتماد کیا ہے[۵۲] اور ان کی کتابوں سے نقل و روایت کیا ہے۔ افسوس کہ وہ اصل کتابیں ضائع ہوگئیں۔ ان کے صاحبزادے ہشام بن محمد بن السائب الکلبی[۵۳] (متوفی ۲۰۴ھ) نے اپنے والد کی تحقیقات کو مرتّب و مدوّن کرنے کی طرف خاص توجہ کی۔ اس کے دائرے کو وسیع کیا اور عوام تک پہنچایا۔

---

(1) Nöldeke - Schwally. Vol 2 p. 188

راجع ابن ہشام نسخہ وستنفلڈ

۵۲ الفہرست/ ۱۳۶-۱۳۷، طبقات ابن سعد ۶/ ۲۴۹، تاریخ بغداد ۱۴/ ۵/ ۴۳، الارشاد ۷/ ۲۵۰، تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۲۱۴، التہذیب ۹/ ۲۶۶، نیز بروکلمان، ضمیمہ جلد ۱/ ۲۱۱

۵۳ ۲۰۶ھ، ابن خلکان: وفیات ۲/ ۱۹۵، الفہرست/ ۹۵، جرجی زیدان: کتاب تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ۲/ ۱۴۹۔

Brockelmann: G.A.L. Vol I p139, Suppl I p 211
Wüstenfeld: 26—42
Goldziher: Muh. Stud. Vol. 1, p 186.

جس طرح اس کے پیشرو اور ہم عصر علماء نے تنظیم روایات کا کام کیا تھا۔ مثلاً ابو مخنف لوط بن یحییٰ بن سعید جس نے انساب اور واقعات، خصوصاً واقعاتِ عراق اور فتوح[۱] کے سلسلے میں مہارت حاصل کی، یا عوانہ بن الحکم الکلبی[۲] (متوفی ۱۴۸ھ) جو کوفہ کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ یہ وہ ہیں جو اُن کلبی اقرباء سے اتصال کے باعث، جو شام میں آبسے تھے، اور امویوں کے مقرب تھے، امویوں کے اخبار کا اچھا علم رکھتے تھے اور صاحبِ رائے بھی تھے، ہرچند وہ خود امویوں سے متوسل نہیں رہے مگر سیرتِ معاویہ و بنی امیہ کے سلسلے میں اُن کا شمار ثقات میں ہوتا ہے[۳]۔

مصادرِ اصلی سے رجوع کرنے اور وثائق مکتوبہ سے استفادہ کرنے میں ہشام اپنے والد پر فوقیت رکھتا تھا، خصوصاً حیرہ کی تاریخ، خاندانِ مالکہ کے بادشاہوں اور تاریخِ ایران کا حال لکھنے میں اس نے یہی کیا ہے۔ ممکن ہے وہ فارسی زبان بھی جانتا ہو۔ کیوں کہ اس نے اپنی علمی لیاقت اور صلاحیت کا ایسا اظہار کیا ہے جو فہمِ حقائق کے لئے ایک مورّخ میں ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ اس کی ذات مطاعن اور تہمتوں سے بچ نہیں سکی جو اصحاب الحدیث نے لگائی ہیں خصوصاً اُسے متروک اور روایت میں جھوٹا بتایا ہے۔ لیکن جدید تحقیق بتاتی ہے کہ عام طور سے اس کے مخالفین حق پر نہیں ہیں، وہ ذرا آزاد خیال انسان تھا، اس نے تدوینِ تاریخ کے سلسلے میں بڑی اہم پیش رفت کی اور اُسے علمی اساس پر استوار کیا[۴]۔

---

[۱] الفہرست/۹۳، فوات ۲/۱۴۰، التہذیب ۴/۲۹۵۔
Brockelmann: G.A.L. Vol I, p 65, Suppl. I, p 213

[۲] الفہرست/۱۳۴، روایت کیا عبداللہ بن المعتز نے، اُن سے الحسن بن علیل العنزی نے عوانہ بن الحکم کے بارے میں کہا کہ وہ عثمانی تھا اور بنو امیہ کے لئے اخبار وضع کیا کرتا تھا، ۱۵۸ھ میں اس کی وفات ہوئی، لسان المیزان ۴/۳۸۶

[۳] ان کی کتاب "سیرۃ معاویہ و بنی اُمیّہ" تھی، الفہرست/۱۳۴۔
Wellhausen: Das Arabische Reich und Sein Sturz
Berlin, 1902 p. VI

[۴] دائرۃ المعارف/۲۸۵۔